اردو ناول کا ارتقا اور آغا شاعر دہلوی

ڈاکٹر محمد یحیٰ صبا
کروڑی مل کالج، دہلی

ملخص

آغا شاعر نے بیسویں صدی کے آغاز میں ناول نگاری شروع کی انھوں نے موضوع اور فن دونوں اعتبار سے اس صنف کو وسعتیں بخشی ہیں انہوں نے ناولوں میں خاندانی نزاع کے بنیادی مسائل کو پیش کیا ہے، وہ اپنے ناولوں کے ذریعہ تعلیم و تربیت نیز سماجی، اخلاقی اور معاشرتی خامیوں کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں ان کے خیال میں سماج کا جاہل ہونا ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اگر سماج تعلیم یافتہ ہوگا تو عام لوگ کامیاب زندگی گزار سکیں گے، اس کے علاوہ انھوں نے سماج کی کہنہ و فرسودہ رسم و رواج کی طرف بھی ذہن کو مبذول کرایا ہے کہ اکثر اس کا انجام ایک پریشان کن اور جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح انھوں نے اپنے ناولوں کے اندر سماج کی خانگی ذمہ داریوں کے احساس کو جگانے کی کوشش کی ہے۔ اور زبردستی شادی کے خطرناک نتائج کو اجاگر کرتے ہوئے تعلیم و تربیت پر کافی زور دیا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق تعلیم یافتہ سماج اپنے معاشرے کی گندگی کو اپنے عقل و شعور کے ذریعے ختم کر سکتا ہے اور اپنی زندگی کو خوش گوار بھی بنا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

ادب ایک ایسا ساغر ہے جس میں دنیا جہان کے خیالات کے دریا آ کر گرتے ہیں۔ ان کا سوتا کہیں پھوٹتا ہے۔ چادر آب کہیں بنتی ہے اور چشمہ کہیں اور جاری ہوتا ہے۔ اردو ادب ہر دور میں نشیب و فراز سے گزرتا رہا ہے۔ لیکن ہر دور میں شاعروں اور ادیبوں نے اس کے لیے نت نئی راہیں ہموار کی ہیں اور ترقی کے راستے پر اسے گامزن کرتے رہے ہیں۔ شاعری اور افسانے کے علاوہ صنف ناول بھی ان ہی کاوشوں کا نتیجہ ہے لفظ ناول Novella سے ماخوذ ہے جو کہ اطالوی زبان کا لفظ ہے، جس طرح افسانے کے بارے میں مختلف ناقدین نے

اپنی آراء پیش کی ہیں۔اسی طرح اردو ناول میں بھی مختلف ناقدین کی تعریفیں مختلف انداز میں ملتی ہیں۔ چنانچہ رابن سن کروسو کے غیر فانی مصنف ڈینیل ڈنو نے اس فن کی بنیاد ڈالتے ہوئے دو چیزوں کا خاص طور سے لحاظ کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ قصہ حقیقت پر مبنی ہونا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ اسے کوئی نہ کوئی اخلاقی سبق دینا چاہیے۔اس لیے کہ اگر قصہ حقیقت پر مبنی نہیں ہوگا تو جھوٹا ہوگا اور اس کی تصنیف کے ذریعے مصنف جھوٹ بولنے کا عادی ہو جائے گا۔ وہ کہتا ہے کہ

> ''قصہ بنا کر پیش کرنا بہت بڑا جرم ہے یہ اس طرح کی دروغ بنی ہے
> جو آہستہ آہستہ ادب میں ایک بہت بڑا سوراخ کر دیتی ہے جس کے
> ذریعہ جھوٹ آہستہ آہستہ داخل ہو کر ایک عادت کی صورت اختیار کر
> لیتا ہے۔''فیلڈنگ جو انگریزی ناول کے عناصر اربعہ میں سے ہیں
> یوں رقم طراز ہیں''ناول نثر میں ایک طربیہ کہانی ہے۔''

یعنی اس کے نزدیک المیہ کہانی ناول کے موضوع سے باہر ہے۔ وہ اس طرح رچرڈسن کے اس نقطۂ نظر کو رد کرتا ہے کہ کہانی کی غرض نیکی اور اخلاق کا سدھارنا ہے۔ فیلڈنگ اسے ہنسنے اور ہنسانے کا ذریعہ سمجھتا ہے اس طرح وہ اس میں طربیہ کی شرط لگا دیتا ہے ۔ظاہر ہے کہ یہ تعریف بھی نامکمل ہے۔اس کا ایک ہم عصر اسمولٹ نے ناول کے فن کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> ''ناول ایک پھیلی ہوئی بڑی تصویر ہے جس میں ایک مقررہ پلاٹ کو
> وضح کرنے کے لیے زندگی کے کردار مختلف جماعتوں کے ساتھ رکھ کر
> مختلف پہلوؤں سے دکھائے جاتے ہیں۔''

یہ تعریف بھی ناکافی ہے اس لیے کہ اس میں سارا زور پلاٹ پر ہے چنانچہ انگلستان کی ایک مشہور ادیبہ کلارا ایوز اس فن کی تعریف یوں کرتی ہیں۔

> '' ناول اس زمانے کی زندگی اور معاشرے کی سچی تصویر ہے جس
> زمانے میں لکھی جائے۔''

پروفیسر بیکر نے ناول کے لیے چار شرطیں لازم کر دیں۔قصہ ہو، نثر میں ہو، زندگی کی تصویر ہو اور اس

میں ربط و یک رنگی ہو یعنی یہ قصہ نہ صرف نثر میں لکھا گیا ہو بلکہ حقیقت پر مبنی ہو اور کسی خاص نقطۂ نظر یا مقصد کو بھی پیش کرتا ہو۔ حقیقت میں ناول وہ صنف ہے جو حقیقت کی عکاسی کرتا ہو۔ زندگی کی سچائی کو بیان کرتا ہو مگر صنف ناول نے کئی رنگ بدلے ہیں۔ کبھی اس نے رومانی شکل اختیار کی تو کبھی تاریخی، کبھی عصری تو کبھی رزمیہ و سیاحتی، کبھی اسراری اور کبھی نفسیاتی۔ غرض یہ مختلف رنگ اختیار کرتا رہا اور دور حاضر تک اردو ناول کے ذخیرے کو مالا مال کر تا رہا۔ ناول کے فن کو مکمل کرنے کے لیے جن اجزاء کا ہونا ضروری ہے ان میں قصہ، پلاٹ، کردار، مکالمہ، مناظر فطرت، زمان و مکاں، نظریہ حیات اور اسلوب بیان کو اہمیت حاصل ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی جز و کم ہو تو ایسا ناول مکمل ناول نہیں کہلائے گا۔

اردو میں ناول کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ صنف ادب برائے زندگی کی ترجمانی کرتی ہے۔ جب بھی کوئی ناول نویس لکھتا ہے تو وہ کوئی نئی دنیا اپنی خواہش کے مطابق نہیں بناتا بلکہ وہ ہماری ہی دنیا سے بحث کر تا ہے وہ وہی چیزیں پیش کرتا ہے جن کا ہماری زندگی سے تعلق ہوتا ہے۔ یعنی کہ جس میں دکھ بھی ہو سکھ بھی، جنگ بھی ہو صلح بھی، موت بھی ہو اور پیدائش بھی۔ ناول نگار تخیل میں پرواز نہیں کرتا بلکہ اس کے قصے کی بنیاد روزمرہ کی زندگی پر استوار ہوتی ہے۔ کردار بھی ہمارے جیسے گوشت پوست کے انسان ہوتے ہیں۔

ناول ادب کی ایک اہم صنف ہے جو بقول سلام سندیلوی ہماری زندگی کی مختلف گتھیوں کو سلجھانے میں مدد دیتی ہے۔ ناول انگریزی ادب کے ساتھ ہمارے یہاں آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے ادب پر چھا گیا، ناول میں پرانے قصوں افسانوں اور داستانوں کے برعکس انسانی زندگی کا قصہ ہوتا ہے۔ اس لیے اسے موجودہ عہد کا رزمیہ بھی کہا جاتا ہے۔

آغا شاعر نے بیسویں صدی کے آغاز میں ناول نگاری شروع کی انھوں نے موضوع اور فن دونوں اعتبار سے اس صنف کو وسعتیں بخشی ہیں انہوں نے ناولوں میں خاندانی نزاع کے بنیادی مسائل کو پیش کیا ہے، وہ اپنے ناولوں کے ذریعہ تعلیم و تربیت نیز سماجی، اخلاقی اور معاشرتی خامیوں کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں ان کے خیال میں سماج کا جاہل ہونا ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اگر سماج تعلیم یافتہ ہوگا تو عام لوگ کامیاب زندگی گزار سکیں گے، اس کے علاوہ انھوں نے سماج کی کہنہ و فرسودہ رسم و رواج کی طرف بھی ذہن کو مبذول کرایا ہے کہ اکثر اس کا انجام ایک پریشان کن اور جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح انھوں نے اپنے ناولوں کے اندر سماج کی خانگی ذمہ داریوں کے احساس کو جگانے کی کوشش کی ہے۔ اور زبردستی شادی کے خطرناک نتائج کو اجاگر کرتے ہوئے تعلیم و تربیت پر کافی زور دیا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق تعلیم یافتہ سماج اپنے معاشرے کی گندگی کو اپنے عقل و شعور کے ذریعے ختم کر سکتا ہے اور اپنی زندگی کو خوش گوار بھی بنا سکتا ہے۔

آغا شاعر کے ناولوں میں نئے زمانے اور نئے تقاضے کی پکار سنائی دیتی ہے ساتھ ہی حقیقت پسندی اورفن کاری کا اعلیٰ نمونہ بھی ملتا ہے۔ان کے ناولوں میں ماحول کا صحیح مشاہدہ اوراس مشاہدہ کا منطقی تجزیہ ہے اور پھر دونوں کے ساتھ غور وفکر بھی حد درجہ پایا جاتا ہے انھوں نے اپنے ناولوں میں گھریلو زندگی اوران کے مسائل اور گھر کی چہار دیواری سے باہر گلی،کوچوں، بازاراور شاہراہوں میں گونجنے والے نعروں کو پیش کیا ہے،اس ضمن میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ ان کے یہاں صرف جذبات نگاری نہیں ملتی بلکہ ان کے خیالات فکر کے طابع نظر آتے ہیں۔ انھوں اپنے ناولوں میں اپنے رجحانات ومیلانات اور فلسفہ کا عکس پیش کیا ہے آغا شاعر کے کردار میں جونفسیاتی وتجزیاتی جھلک ملتی ہے وہ اپنے آپ میں بے مثال ہے ماحول کا اثر انسان کی زندگیوں پر کیسے پڑتا ہے اسے انھوں نے اپنے ناولوں میں بڑی چابک دستی سے پیش کیا ہے۔اس کے باوجود ان کے ناولوں کو ہی نہیں بلکہ اور دوسری ادبی خدمات کو بھی جس طرح نظر انداز کیا گیا ہے۔غالباً نہیں کرنا چاہیئے تھا اس لیے کہ تخلیق کسی بھی طرح کی ہو وہ ادب ہے،اس کے پیچھے مصنف کے اغراض ومقاصد چھپے ہوتے ہیں۔یہ ضروری نہیں کہ ہر تخلیق فن کار کی کسوٹی پر کھرا اترے۔

آغا شاعر قزلباش دہلوی 1871-1940 اپنے عہد کے ادبی منظر نامے میں نامور نثار اور شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔وہ بیک وقت شاعر،ناول نگار،ڈرامہ نگار،مترجم اور کئی رسالوں کے مدیر وصحافی تھے ۔داغ دہلوی کے مشہور شاگرد جہاں نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی اور منشی وحیدالدین بیخود،دہلوی تھے۔ وہیں آغا شاعر نے اپنے استاد داغ دہلوی کی شاعری کو اس درجہ پھیلایا کہ ان کی شہرت کا آفتاب نصف النہار تک جا پہنچا۔ان کے انداز بیان کی تشکیل مشاہدے کی قوت احساس کی شدت، جذبے کی جدت اور تخیل کی رفعت کو ان کی شاعری میں بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔''تیر ونشتر'' ان کا واحد دستیاب مجموعہ ہے۔انہوں نے افسانے بھی لکھے ہیں۔چند افسانے ان کے مجموعے خمارستان میں ملتے ہیں جسے مضامین کا مجموعہ بھی قرار دیا گیا ہے،اس میں شامل مندرجہ ذیل افسانے ہیں۔''یادوطن''،''نیا سال''،'' دامان بہار''،''جوئی اور بارش کا ننھا قطرہ''،''ہندوستانی''،'' بڑھو ورنہ کچل دئے جاؤ گے''،''پوشیدہ''،''ایک قطرہ خون کی سرگذشت''،''باغ بہشت''،''حسن اردو کا حجاب''،'' پھول والوں کی سیر''،''چھوئی موئی''،''''وفائے عہد''،''کھلتا ہوا پتہ''،''بجھتا ہوا چراغ''،''ٹوٹا ہوا ہاتھ''،''انیس و دبیر''،'' خانہ بدوش''،''جل ترنگ''،'' چاندنی رات''،'' دریائے فرات''،'' رنگیلا جوگی''،'' آہ پنڈت رتن ناتھ سرشار''،''حضرت داغ کی ایک صحبت''،''اپنے خالق کی پہچان''،''میری بادشاہت کا زمانہ''،''غلام ہندوستان''،'' پہلے کی دلی''،''جمنا کے کنارے''،''عبرت ناک مشاہدہ''،''فیروز شاہ کی لاٹ''،''ایک البیلی شام''،''برسات کی بہار''،'' تاجدار دکن کی سوانح عمری''،'' استاد داغ کی اصلاح''،''ادبی صحبت''،'' میرا گناہ''اور'' آغا شاعر کا

پیغام''۔

انہوں ڈرامے بھی لکھے ہیں اور ناول بھی ''ارمان''، ''ناہید''، ''ہیرے کی کنی''، اور ''نقلی تاجدار'' ان کے مشہور ناول ہیں۔ان کے ناول کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے صرف چار ہی ناول لکھے ہیں اس لیے کہ ''لیلی دمشق'' کو بھی ناول کہا جاتا ہے ''شعلہ جوالہ'' ایک ناولٹ اور ''دامن مریم'' موصوف کے انشائیوں کا مجموعہ ہے جو ان ہی سے منسوب ہے۔

موصوف اپنے عہد کی ایسی اہم شخصیت تھے جس کے متعلق مولانا شبلی نعمانی، سیماب اکبرآبادی، سر شیخ عبدالقادر، صفی لکھنوی، جگر مرادآبادی، جوش ملیح آبادی، حامد حسن قادری، سید عابد علی عابد، خواجہ حسن نظامی، عبادت بریلوی، امیر حسن عابدی، مالک رام، مہیشور دیال، وجاہت حبیب اللہ، ویمل جین، عمار رضوی، مہاتما گاندھی جی، فرمان فتح پوری وغیرہ نے اپنے مضامین میں اپنی قیمتی رائے کا اظہار کیا ہے اور آغا شاعر کی ادبی حیثیت کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان کی شخصیت اور ان کے ادبی کام پر اب تک کسی بھی یونی ورسٹی میں کوئی تحقیقی اور تنقیدی کام نہ ہو سکا ہے۔آغا شاعر دہلوی کی شاعری میں روایت اور تجربے کا نہایت ہی حسین امتزاج ہے جو نواب مرزا داغ کی شاعری کا سرچشمہ اور پیش خیمہ ہے۔نوح قادری، سائل دہلوی، بیخود دہلوی کے ساتھ ساتھ اردو شعر گوئی میں موصوف کا اپنا علیحدہ مقام ہے۔

آغا شاعر نے ڈرامے بھی لکھے ہیں موصوف مشہور ڈرامہ نگار آغا حشر کاشمیری کے استاد تھے۔آغا حشر کاشمیری صحافی بھی تھے وہ ''آصف الاخبار'' اور ''پنجۂ نگاریں'' رسالے کے مدیر تھے انہوں نے اس وقت کے سماجی، سیاسی، تاریخی، معاشی، اور ادبی مسائل پر بڑی بے باکی کے ساتھ اداریے لکھے اور اس وقت کے مسائل پر محیط مبنی بے شمار مضامین قلم بند کیے ان کی نظر سماج اور سیاست کے ساتھ ادب پر بھی گہری تھی۔آغا شاعر کی ایک حیثیت مترجم کی بھی ہے انہوں نے قرآن پاک، رباعیات، عمر خیام اور ایک انگریزی ناول کا ترجمہ اردو میں ''طلسم بدلہ'' کے نام سے کیا ہے جو اس عہد میں معیاری اور ادبی ترجمہ ہونے کا سند حاصل کر چکے ہیں۔

آغا شاعر اپنے عہد کے قد آور اور نمایاں ناول نگار رہے ہیں۔ جہاں ان کو اپنے عہد کے چند ممتاز ناول نگاروں میں منفرد اور اہم مقام حاصل رہا ہے۔انھوں نے اپنے ناولوں میں متوسط طبقہ میں پروان چڑھنے والے لڑکے، لڑکی کی نفسیاتی و جذباتی زندگی اور وہ ماحول جس میں کہ وہ پروان چڑھتے ہیں اس قدر تکمیل اور فن کارانہ چابک دستی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ ان کی ناول نگاری تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔آغا شاعر کے ناولوں کا پیش منظر مشرقی ادبیات کے آمیزے سے تیار ہوا ہے ان کے یہاں اخلاقی تقاضے اور قدامت پرستی کا سراغ ملتا ہے اس طرح مشرق پسندی کے اعتبار سے آغا شاعر کو اردو ناول نگاری میں اس قبیل کے دیگر مصنفوں میں

اولیت حاصل ہے کہ ان کے یہاں ہندوستانی رنگ نمایاں ہے۔ وہ انگریزی ادب سے بخوبی واقف تھے اس لیے ان کے ناولوں میں مغربی تکنیک اور انداز فکر کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ ان کے ناول مشرقی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ انھوں نے فرد کی زندگی اس کی ذہنی اور جذباتی کیفیتوں کو اپنے ناول کا موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں کا مواد اس وقت کے سماجی اور معاشرتی زندگیوں سے حاصل کیا ہے۔ انھوں نے اردو ناول نگاری کی کینوس کو وسیع تر کیا ہے اس سلسلے میں ان کی اہمیت مستند اور مسلم ہے۔

آغا شاعر دہلوی کی ناول نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ ایوان اردو شمارہ 5 ستمبر 2002 صفحہ 32 پر یوں رقم طراز ہیں۔

> ''آغا صاحب کے ناولوں میں نثر نگاری دلکش اور معتدل ہے ماحول کی مرقع کشی فردوس گوش و نظر ہے۔ بیانات ضروری اور مختصر ہیں، مکالمے فطری، دلچسپ، برمحل اور برجستہ ہیں۔ ناول میں ڈرامائی انداز کافی ہے۔ عشق اور قصے میں واقعیت کم تخلیقیت زیادہ ہے۔''

''ڈاکٹر سہیل بخاری آغا شاعر کی ناول نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> ''ان کی زبان ٹکسالی، پاکیزہ، شستہ اور رنگین ہے۔ انھیں روز مرہ محاورے خصوصاً بیگماتی زبان پر بڑی قدرت ہے''۔ شاعر صاحب نے ڈرامہ نگار کی حیثیت سے بھی اپنا سکہ جما لیا۔ تمثیل نگاری اور ڈرامہ نگاری میں مقبول زمانہ کہلائے''

موصوف اردو ناول کی دنیا میں ایک بے باک اور باغی ناول نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں ان کے ناول خاندانی ٹکراؤ، بغض، کینہ، کشیدگی اور سماجی روایت سے بغاوت میں کامل ہیں خصوصیت کے ساتھ اس عہد کے ماحول اور متوسط طبقہ کے معاشرہ میں باہمی اختلافات کے موضوع پر انھوں نے کھل کر نشتر زنی کی ہے۔ کبھی تو ان کی بے باکی اعتدال کی حد کو پار کرتی ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر حق گوئی سے کام لیتے ہیں ان کے ناولوں میں زیادہ تر اخلاق، اصلاح، بھائی چارگی، اخوت اور مروت کے پہلو ہی نظر آتے ہیں اس کی مثال ان کے ناول ''ہیرے کی کنی

'ہے انھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعہ بیسویں صدی کے سماج کے بیشتر مسائل پر بڑی چابک دستی سے قلم اٹھایا ہے۔ان کے ناولوں میں موضوع اور فن دونوں کا تنوع ملتا ہے۔انھیں کردار نگاری کا بڑا اچھا سلیقہ آتا ہے۔ان کے ناولوں میں انسان نازک احساسات وجذبات، پیچیدگی اور الجھاؤ کی زد میں آتا ہے ان کے علاوہ بھی آغا شاعر کے بہت سے ناول ہیں۔جو اردو ناول نگاری کے افق پر درخشندہ ستاروں کی مانند اپنی بھرپور چمک دمک کے ساتھ موجود ہیں۔